ناولٹ

مُسکرانا ہمارا مقدر رہا

• عالیہ حرا

"تگی خالہ میں شادی کرنا چاہتی ہوں؟" دھڑ سے دروازہ کھول کر ماہ مبین اندر داخل ہوئی۔ تگی خالہ 'نانی' عظمیٰ اور سارہ چونک کر بہ آواز بلند کھلنے والے دروازے کی جانب متوجہ ہی ہوئی تھیں اور... ماہ مبین اپنا عندیہ 'اپنی مرضی' بہ آواز بلند قدرے کرخت لہجے میں کہتی اور شعلہ بار نگاہوں سے انہیں دیکھتی باہر نکل گئی۔ اسی طرح سے دروازہ دھڑ سے بند کر کے اور کمرے میں موجود چاروں خاتون انگشت بدنداں تھیں اس لہجے و انداز پر۔

○☆○

"نہیں 'نانی اماں۔" اس نے ان کی گود میں منہ چھپالیا۔ آنکھیں نمناک تھیں اور لہجہ دھیما سا دکھوں کی لو دیتا ہوا۔

"اب نہیں 'زندگی تو بس ریحان کے ساتھ تھی اور خدا نے مجھے اتنی ہی خوشیاں دی تھیں۔ میرا نصیب بس اتنا ہی کھولا تھا۔"

"میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ماہ مبین 'باپ تیرا پردیس کاٹ رہا ہے 'ماں تیری ہے ہی نہیں۔ میں نے ہی تیرے لیے سوچا ہے۔"

"نانی اماں 'آپ نے میرے لیے بہتر ہی سوچا تھا۔ بس اس باب کو اب میرے لیے بند کردیں۔ میرے لیے ریحان سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ دوسری شادی نہیں کروں گی میں۔ بس میرے لیے ریحان کی محبت ہی کافی ہے۔ سچی اور ابدی محبت!"

اس نے دھیرے سے سر اٹھا کر نانی اماں کو دیکھا اور بکھرے بالوں کو سمیٹنے لگی۔

"بچے!" انہوں نے فرطِ محبت سے نواسی کا منہ چوم لیا۔ ان کی چہیتی بیٹی کی دکھیاری بیٹی 'پیاری نواسی۔ "زندگی اکیلے بسر نہیں ہوتی۔"

"اکیلی کہاں نانی اماں 'آپ سب لوگ ہیں نا میرے ساتھ پھر ریحان کے گھر والے چچا جان 'بڑے تایا 'پھپو' میری تگی خالہ۔" اس کے چہرے پر اعتماد اور اعتبار کی روشنی تھی۔

نانی اماں کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ بکھرنے لگی "یہ رشتے ہیں ان سے زندگی کا پھیلاؤ ہے۔

ان رشتوں سے تنہائیاں نہیں سمیٹی جاتیں۔ یہ رشتے دکھ درد نہیں بانٹ سکتے‘ دکھوں کا مداوا نہیں کر سکتے۔ انسان کو اعتبار نہیں دیتے۔ زندگی تنہا نہیں گزرتی بچے‘ شوہر کا ساتھ ابدی ہوتا ہے۔ نرمی‘ گرمی‘ دکھ سکھ‘ معاشی حالات‘ خوشیاں ہر چیز اس سے سکھ دیتی ہے‘ میری جان!"

"پلیز نانو جان۔" محبت سے ان کا ہاتھ تھام لیا "آپ ہیں نا میرے ساتھ مجھے کسی چیز کی فکر نہیں ہے۔ وہاں دادی جان ہیں پھر ریحان کی امی۔" نانی اماں گہرا سانس لے کر اسے دیکھنے لگیں۔ ان کی کم عمری‘ نازک مگر مضبوط جی گردے والی نواسی‘ دکھیاری ماہ مبین۔ اک عزم وہمت سے سر اٹھائے انہیں دیکھنے لگی۔

آنکھیں بھیگنے لگیں تو اس نے نگاہیں چرالیں۔

بیوگی کا چاند جھلملا رہا تھا۔

"نانی اماں چائے پئیں گی؟" اس کے اندر خود کو سمیٹنے کا اتنا حوصلہ تھا۔

"ہاں۔" انہوں نے دھیرے سے کہا۔

"بس ابھی لائی۔" چٹکی بجا کر اٹھی۔

ایک ٹھنڈی سی سانس ان کے ہونٹوں سے نکلی۔

قدرت نے اسے کیسی آزمائش میں ڈالا تھا۔ جوانی تو خود ایک آزمائش ہوتی ہے‘ اوپر سے بیوگی کا دکھ۔ آزمائش در آزمائش جانے کیسی قسمت تھی۔ کس کی سیاہ نظر کا شکار ہوئی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے ہاتھ ملنے لگیں۔ زمانہ اسے جینے نہیں دے گا۔ اپنے رشتے داروں کی فطرت سے نہیں واقف۔

○☆○

"مبین‘ تم بچی نہیں ہو!" ممانی کی دہاڑ سے اس کے اچھلتے قدم رک گئے۔ بے ساختہ گھوم کر دروازے کی سمت دیکھا۔ بڑی ممانی شعلہ بار نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"اور عامر تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے جو دھمال ڈال رہے ہو؟" انہوں نے شدید ناگواری سے بیٹے کی جانب دیکھا۔

"امی‘ میں مبین کو تنگ کر رہا تھا۔ ہر وقت رسالوں میں گھسی رہتی ہے۔"

"انہیں گھرداری جو نہیں آتی۔" انہوں نے طنز سے اسے دیکھا۔

وہ عالم تحیر سے انہیں دیکھ رہی تھی اور اس بے جا غصے کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"جاؤ عامر‘ باہر کوئی آیا ہے تمہارا دوست۔" تیکھی نگاہ اس پر ڈال کر پلٹنے سے پہلے اپنے بیٹے کو باہر نکالا اور خود بھی ہونہہ کہتی باہر نکل گئیں۔

"یا اللہ!" وہ کرسی پر گر گئی "میرا قصور‘ میں تو آرام سے بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی کہ عامر نے آکر جھپٹ لیا۔" وہ غائب دماغی کا شکار اپنا قصور تلاش کرنے لگی مگر وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ممانی کا غصہ..... چہ معنی دارد۔

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو سمجھ نہیں آتیں مگر انہیں وقت خود سمجھا دیتا ہے۔ فی الحال ماہ مبین جس کی بیوگی کو محض آٹھ دس ماہ ہوئے تھے‘ نہیں سمجھ سکتی تھی۔

اسے اپنے ننھیال‘ ددھیال اور سسرال پر اعتبار تھا۔ ریحان کا ساتھ چھوٹا تھا۔ قدرت نے ریحان کا اور اس کا اتنا ہی ساتھ رکھا تھا۔ محض تین سال‘ وہ تین سال اس کی زندگی کا حاصل تھے۔ دونوں نے زندگی کی خوشیوں سے لمحہ لمحہ کشید کیا تھا۔ مسرتوں کے خزانے تھے جو قدرت نے ان پر کھول دیے تھے۔ حالانکہ ان کی خالصتاً ارینج میرج تھی۔ یہ رشتہ ابو کے دوست کے توسط سے طے پایا تھا۔

راشد فاروقی بسلسلۂ روزگار کویت میں ہوتے تھے۔ ان کی پہلی بیگم کا عرصہ پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ جن کی ایک بیٹی تھی ماہ مبین۔ نانی‘ دادی‘ پھوپی اور خالہ نے اسے ماں کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ راشد فاروقی ایک طویل عرصے سے کویت میں مقیم تھے۔ انہوں نے وہیں ایک پاکستانی فیملی میں شادی کرلی۔ جس سے ان کے چار بچے تھے راحیلہ بس ایک دو بار ہی پاکستان آئی تھیں۔

ماہ مبین کی راشد فاروقی کو فکر ہی نہیں تھی۔ انہیں تمام خونی رشتوں پر اعتبار تھا۔ ہاں خرچے کے لیے اسے

وہ ہر ماہ ایک معقول رقم بھیج دیتے تھے جو دادی خرچ کرتی تھیں۔

باپ کی کمی کا اسے احساس تو ہوتا تھا مگر اس نے اس کو نفسیاتی مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ یہ اس کے دل کی اس کی ذات کی محرومی تھی۔ وہ ایک سمجھ دار لڑکی تھی اور بہتر سمجھ بوجھ رکھتی تھی۔ پپا سے خط و کتابت رہتی‘ فون پر گفتگو ہو جاتی‘ اس کی ضروریات پوری ہو رہی تھیں۔

جب اس نے بی اے کیا تو ایک طویل عرصے بعد راشد فاروقی پاکستان آئے ہوئے تھے۔ حسب معمول اکیلے تھے اور وہ دو ماہ کی چھٹی پر آئے تھے۔ انہیں خوشی اور حیرانی تھی کہ ماہ مبین نے گریجویٹ کر لیا تھا۔ دیکھنے میں نازک سی میٹرک کی اسٹوڈنٹ لگتی تھی۔ ایک عرصے بعد اسے باپ کی شفقت نصیب ہوئی تھی‘ وہ بے پناہ خوش تھی۔

وہ اسے اپنے ساتھ ایک شادی کی تقریب میں لے کر گئے تھے۔ وہیں ریحان کی والدہ نے اسے پسند کر لیا۔ فوراً رشتہ لے کر آگئیں۔ لڑکا بینک آفیسر تھا‘ اچھا خوش شکل‘ تعلیم یافتہ تھا۔ انہیں اچھا لگا اور پھر خاندانی لوگ تھے۔

"راشد‘ ابھی مبین چھوٹی ہے صرف منگنی کر دو۔" ماں نے سمجھایا۔

"نہیں امی‘ جانے میرا اب کب آنا ہو۔ ماہ مبین میرا فرض ہے اور فرض جتنی جلدی ادا ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"میرا ایم بی اے..." اپنے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی دیکھ کر منمنا کر رہ گئی۔

"آفٹر میرج!" طیبہ شرارت سے چہکی۔

یوں اس کی چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔

ریحان اور اس کی چاند سورج کی جوڑی تھی۔ ساس نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا۔ ریحان اس کا دیوانہ تھا‘ نندیں فدا۔ خود اس کی طبیعت میں ہنسی مذاق‘ خوش مزاجی تھی۔ وہ جلد ہی ریحان کی فیملی میں گھل مل گئی تھی۔

راشد فاروقی خوش و مطمئن واپس لوٹ گئے کہ بیٹی کو ایک مکمل گھر فراہم کر دیا تھا۔

ماہ مبین، ریحان کے ساتھ بے تحاشا خوش اور مطمئن تھی۔ ریحان ایک جان نچھاور کرنے والا شوہر تھا۔ اسے محبوب رکھتا تھا، اس کی ذرا سی تکلیف اسے بے حال کردیتی تھی۔

ننھیال اور ددھیال دونوں مطمئن تھے۔ وہ جب بھی ریحان کے ساتھ دادی اور گھر والوں سے ملنے جاتی، طیبہ چھیڑتی "ماہی، تمہارا ایم، بی، اے.... کیا ہوا؟"

جواب میں ریحان چاہ سے اسے دیکھتا "کروادیں گے، اتنی جلدی کیا ہے۔" اور وہ بس ہنس کر رہ جاتی۔

ان کے دن عید اور راتیں شبِ برات کے مانند تھیں۔ اس شادی نے، ریحان کی محبت نے اور سسرال والوں کے محبت آمیز رویوں نے اس پر قوسِ قزح کے رنگوں کی برکھا برسادی تھی مگر خوشیوں کی عمر مختصر ہی ہوتی ہے یا پھر نظر انسان کو کھا جاتی ہے۔ ان کی بھی ہنستی مسکراتی زندگی کو زمانے کی نظر لگ گئی۔ کیسا منحوس دن تھا وہ....

صبح اٹھی تھی تو خاصی مضمحل و اداس تھی۔ برابر میں بستر خالی تھا۔ آڑھا ترچھا تکیہ پڑا تھا۔ ایسے ہی کروٹ لے کر تکیے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ جانتی تھی کہ ریحان اس وقت آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا ہوگا۔ اسے اپنی اداسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ حالانکہ رات کو مووی دیکھی تھی۔ ویک اینڈ تھا جو ایک بھرپور دن کی طرح گزارہ تھا۔

"بیگم صاحبہ، کہیں تو بندہ حاضر ہوجائے!" ریحان باتھ روم سے نکل آیا تھا اور یوں اسے تکیے پر ہاتھ رکھے دیکھ کر ذو معنی شرارت سے ہنسا اور ناول اس پر اچھال دیا۔

وہ رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ شاور لے کر آیا تھا۔ سر کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ سینے کے بالوں میں ہلکے ہلکے پانی کے قطرے چمک رہے تھے۔ بھرپور مضبوط جسم، سیاہ گلابی سی آنکھیں، بے اختیار ذو معنی شرارتی فقرے پر غور کرتے ہوئے اسے دیکھے گئی۔

"یار کیا ہوا؟" ریحان نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلایا۔

"آں.... ہاں۔" وہ چونک گئی۔

"نظر لگاؤ گی....؟" اس نے شرارت سے ناک کھینچی۔

"آج مت جائیں۔" اس نے بے ساختہ ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہائیں!" ریحان بستر پر بیٹھتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"کیوں....؟" آنکھیں نو دینے لگیں۔

"کیوں!" اسے خود بھی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ بس دل کہہ رہا تھا آج اس کا محبوب شوہر نہ جائے، کہیں نہ جائے۔ اس کے سامنے رہے۔

"یار سنڈے کو آف ڈے تھا، کل ویک اینڈ تھا۔ آج تو جانا مسٹ ہے۔ وعدہ ہے دو گھنٹے بعد واپس آجاؤں گا پھر ہر فرمائش سنوں گا۔" شوخ سی شرارت کی۔

مگر دل کی اداسی دور نہ ہوئی۔ اسے تیار ہوتے ہوئے دیکھنے لگی۔ لباس، ٹائی، موزے جوتے، لوشن۔ وہ ہنوز نیم دراز اسے دیکھتی رہی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" ریحان نے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ وہ گویا اسے نظروں کے راستے دل میں اتار رہی تھی۔

"چلو ناشتا کریں۔" اس نے دھیرے سے ہاتھ کھینچ کر اسے اٹھایا۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے ذرا سا لڑکھڑائی، ریحان نے سنبھل کر قریب کرلیا "سنبھل کر یار، کیا ہوا؟"

ماہ مبین نے گرفت مضبوط کرلی۔ دل نے چاہا آج کہیں نہ جائے یہ، وہ اسے روک لے۔ وقت کھسک رہا تھا اس کا دل.... دل بے قابو تھا۔

ریحان نے دھیرے سے اس کا چہرہ سامنے کیا "بولو جان، کیا ہوا ہے؟ طبیعت خراب ہو رہی ہے، ڈاکٹر کے پاس چلیں؟ میں آفس پہنچتے ہی فون کروں گا، پریشان مت ہو۔" اس نے دھیرے سے اس کی پیشانی چوم لی۔ عجیب سی حدت، عجیب سانس... اس کی پیشانی پر ٹھہر گیا۔

"میں جلدی آجاؤں گا۔" اس نے تسلی دی۔

"اوکے!" وہ باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

واپس آئی تو ریحان بیگ میں کاغذات چیک کر رہا

تھا۔ بالوں میں برش کرکے پرفیوم اٹھا کر اس کی جانب بڑھی۔ ہر طرف مسحور سی خوشبو بکھرنے لگی۔

"یہ ہوئی نا بات۔" اس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اس کے ہمراہ باہر کی جانب قدم بڑھاتے تھے اور پھر رک گیا۔

"کیا ہوا....؟"

"یار بندے کی معصوم سی خواہش تو پوری کردیا کرو۔" اس کے صبیح چہرے پر نگاہ کی۔ دُھلا دُھلا نکھرا سا چہرہ، چند لٹیں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی۔

"کیا؟" لمحہ بھر کو وہ نہیں سمجھی۔

"بتاؤں!" ذرا سا شرارت سے جھکا۔

وہ محجوب سی ہو کر پیچھے ہوئی "سوری!" دھیرے سے مسکرا کر پلٹی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

ریحان کو اس کے ہونٹوں پر لپ اسٹک بہت اچھی لگتی تھی، ہر لمحہ چاہتا تھا لگی رہے۔

"کون سی لگاؤں؟" اس نے پوچھا۔

"ہوں، جو تمہاری اداسی دور کردے اور...." آئینے میں سے اسے دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے قد آور آئینے میں اس کا بھرپور سراپا اس کے پہلو میں کھڑا تھا۔ ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی پسند کی میٹ میرون لپ اسٹک اٹھا کر لگانے لگی۔ ریحان اس کو بھرپور شرارتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کتنا مکمل اور بھرپور کپل تھا ان کا۔

مبادا اس کی نظر نہ لگ جائے۔ وہ نگاہ چرا کر ہٹ گئی اور ریحان کا ہاتھ تھام کر باہر آگئی۔

ڈائننگ ٹیبل پر بھی خاموش رہی "کیا بات ہے چاند، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" اس کی ساس نے محبت سے پوچھا۔

"جی!" اس نے کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

ریحان اس کو گاہے گاہے دیکھتا رہا۔

وہ گیٹ تک چھوڑنے گئی۔

"آئی ایم سوری یار۔" اس نے دھیرے سے رخسار پر جھولتی لٹ کھینچی "پہلی فرمائش کی ہے اور میں پوری نہیں کر رہا۔ مجبوری ہے، وعدہ رہا کل کا دن تمہارے نام۔" ہاتھ بڑھا کر رخسار چھوا۔

وہ دھیرے سے سر ہلا کر مسکرادی۔

"گڈ گرل۔" یہ کہہ کر وہ گاڑی باہر نکالنے لگا اور وہ آخری لمحوں تک اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کا دل چاہا آج ریحان کی واپسی تک ادھر ہی کھڑی رہے۔

چوکیدار کی کوٹھری میں ریڈیو بج رہا تھا۔

بھیگا بھیگا سا یہ دسمبر ہے۔

وہ لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی۔

ریحان نے آفس پہنچ کر فون کیا پھر لنچ ٹائم میں فون کیا۔ اس کے بعد دو دفعہ اور فون کیا اور وہ بہل گئی۔

آفس ٹائم ختم ہوگیا۔ ریحان کا فون آیا "جلدی سے ریڈی رہو میں پہنچ رہا ہوں۔ بیس پچیس منٹ میں آج کی شام تمہارے نام، رات میرے نام۔" وہ شرارت سے گنگنایا۔ وہ ہنس دی۔ اس کی اداسی ایک حد تک دور ہوگئی تھی۔ وہ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

صبح سے ملگجے سے حلیے میں تھی۔ الماری کھول کر ایک خوب صورت سا لباس نکالا۔ گرین ایمبرائیڈری والا، ہم رنگ میچنگ جیولری۔ بھرپور مسرت کے ساتھ وہ تیار ہو رہی تھی۔

چھ بجنے والے تھے۔ وہ آخری نگاہ سراپا پر ڈال کر باہر نکلی۔

اب ہارن بجا.... اب ہارن بجا۔ وہ لان میں ٹہلنے لگی۔

اس کا دیور فرحان گزرنے لگا تو اس کو دیکھ کر بے ساختہ سیٹی بجادی۔

"بھائی تو آج دیر سے آئیں گے۔ ابھی فون آیا ہے۔"

"کیا!" اس کا دل گھبرانے لگا۔

"ابھی تو فون آیا تھا کہ پہنچ رہا ہوں۔"

"تو ابھی تو فون آیا ہے ضروری میٹنگ ہے سیکریٹری کے ساتھ چائے پر جا رہے ہیں۔"

"اوہ!" وہ سنجیدہ ہونے لگی۔

سر کھجاتا ہوا فرحان باہر نکل گیا اور وہ وہیں چیئر پر

گر گئی پھر ایک گھنٹا گزر گیا۔ سات' آٹھ' نو' دس۔ اس کے پیروں میں بھنور سے بندھنے لگے۔ سنگھار اداسیوں میں ڈوبنے لگا۔

ساس الگ پریشان تھیں ابھی تک ریحان نہیں آیا۔ سسر بھی پریشان ہوگئے۔ پانچ بجے ریحان آجاتا تھا۔ اس کا رنگ زرد ہونے لگا دل میں بُرے بُرے خیالات آنے لگے۔ سر جھٹک جھٹک کر پاگل ہونے لگی۔

دروازے پر غیر معمولی سا ہارن بجا۔ بے ساختہ باہر بھاگی اور چوکیدار کے پیچھے سے دیکھا۔ ایمبولینس کھڑی تھی۔ اپنے گم ہوتے حواسوں کو سنبھالا۔

"کون ہے بیٹا؟" پیچھے سے سسر کی آواز ابھری۔

"ریحان علی احمد کا گھر یہی ہے؟" ڈرائیور چوکیدار سے پوچھ رہا تھا۔

"جی۔"

"ریحان صاحب کا ہائی وے پر ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ..."

"ہائے!" اس نے سینے پر ہاتھ رکھا اور تیورا کر گر گئی۔

اس منحوس صبح کی شام' رات ہونے تک شامِ غریباں میں ڈھل گئی۔

حادثے میں ریحان کو شدید چوٹیں لگی تھیں اور وہ بچ نہ سکا۔

وہ سہاگن سے ابھاگن تک کا سفر کیسے منٹوں میں طے کرگئی تھی۔ اس کا وجود ساکت ہوگیا۔ ایک چپ نے اس کے گرد احاطہ کرلیا تھا۔ وہ اس حادثے کو ہی قبول نہیں کرپارہی تھی۔

دادی' نانی' خالہ' پھپھو سب اس کے دکھ پر نوحہ کناں تھے جواں مرگ، جوان کم عمر بیوگی کا دکھ' زندگی کا اِک لمبا سفر۔

نانی ہاتھ مل مل کر رو رہی تھیں۔ راشد فاروقی بھی آکے چلے گئے "کیسی بدنصیب نواسی تھی خوشیاں ملیں بھی تو ادھوری۔"

عدت کے بعد پہلے دادی کے گھر رہی۔ ایک ماہ بعد نانی لے آئیں مگر دونوں جگہ اس کا دل نہیں لگا۔

نظروں میں ریحان کا سراپا رہتا' کانوں میں اس کے لفظوں کی گونج۔ ہونٹوں کا نرم گرم سا لمس' پیشانی پر ٹھہر سا گیا تھا۔ دھیرے دھیرے پیشانی پر ہاتھ پھیرتی تو آنکھیں بہہ بہہ جاتیں۔

اب کبھی نہیں.... کبھی نہیں۔ وہ توانا لمس زندہ ہوگا۔

کیوں...کیوں.... اس کا وجود بین کرنے لگتا۔

خدا نے کیسی آزمائش میں اسے ڈال دیا تھا۔

○☆○

آج کل وہ نانی کے گھر آئی ہوئی تھی۔ نانی اماں خود بھی اسے عزیز رکھتی تھیں۔ اس سانحے کو سال ہو چلا تھا اور نانی چاہتی تھیں۔ ان کی نواسی جوان تھی' کم عمر محض اکیس سال کی بیوہ۔ وہ اس کا عقد کردینا چاہتی تھیں۔

انہوں نے دھیرے دھیرے ماہ مبین کو سمجھایا تھا مگر اس نے صاف انکار کردیا تھا۔ وہ ریحان کے لیے ساری عمر بیٹھی رہے گی۔ بھولی لڑکی نہیں جانتی تھی کہ یادوں کے سہارے زندگی نہیں بسر ہوتی۔ وہ خوب صورت تھی۔ بھرے بھرے نقش' سیاہ گھنے کلری بال' نازک سا سراپا' اس پر بھرپور اداسی' وہ مزید خوب صورت ہوگئی تھی۔ حزن وملال نے اسے ایک نیا رنگ بخشا تھا۔

ننھیال' ددھیال سب کو اس کی جواں بیوگی کا افسوس تھا اور سب اس کا دھیان رکھتے تھے۔

چھوٹی نگہت خالہ سے اسے زیادہ انسیت تھی۔ وہ بھی اسے عزیز رکھتی تھیں۔

شوخی و شرارت سب ختم ہوگئی تھی۔ وقت سے پہلے ہی اس میں گریس سا آتا جارہا تھا۔ اس وقت بھی سادہ سے پرنٹڈ سوٹ میں دوپٹا شانوں پر ڈالے لاؤنج میں سب کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سارے کزنز جمع تھے' ہنسی مذاق ہورہا تھا۔ بڑی ممانی بھی موجود تھیں۔ چھوٹے تخت پر نانی اماں بھی بیٹھی تھیں۔ محفلِ زعفران میں ماہ مبین بس مسکراتے ہوئے شامل تھی۔ سب ایک دوسرے پر ہوٹ کررہے تھے۔

نانی کے ساتھ تخت پر بیٹھی بڑی ممانی نے یونہی نگاہ اٹھائی اور چونک گئیں ان کا بڑا بیٹا عامر لاؤنج کے

دروازے پر کھڑا تھا اور اس کی نگاہیں.... بے ساختہ نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ سنجیدہ بیٹھی ماہ مبین پر تھی جو سارہ کے ساتھ باتیں کررہی تھی۔

وہ جہاں دیدہ تھیں اور اس توجہ کا مطلب سمجھ سکتی تھیں۔ ایک گرم سی لہر ان کے وجود میں سرائیت کرگئی۔ یعنی کم بن بیوہ اب یہ حرکتیں کرے گی۔

"عامر!" انہوں نے بے ساختہ اکھڑ لہجے میں پکارا۔

"جی امی۔" وہ نگاہ ہٹا کر ان کی جانب بڑھا۔

"کوئی کام تھا؟"

"نہیں تو۔" وہ ان کے برابر میں آکر بیٹھ گیا۔

"ہاں' ایک کپ چائے کی طلب ہے۔" اس نے گردن گھما کر ماہ مبین کو دیکھا۔

"عظمیٰ' جاؤ بھائی کے لیے ایک کپ چائے لادو۔"

"امی پلیز۔" اس کی نگاہ ٹی وی کی جانب تھی۔

"میں بنادیتی ہوں۔"

یک دم ہی وہ اٹھی اور باہر نکل گئی۔

بڑی ممانی جل کر کباب ہوگئیں۔ کیسی گھنی اور میسنی نکلی مگر میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔ اس عامر کو تو... انہوں نے تیکھی نگاہ بیٹے پر ڈالی۔ وہ اسکرین کی جانب متوجہ تھا۔

اس کے پیروں میں تو میں ابھی بیڑیاں ڈالتی ہوں۔ انہوں نے ہتھیلی پر سرسوں جمانے میں دیر نہ کی۔

"امی' عامر کے لیے میں باجی کی مہوش لینا چاہتی ہوں؟"

"مہوش! ہاں اچھی لڑکی ہے' پھر گھر کی بھی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ عامر سے پوچھ لو۔"

"کیوں عامر!" عامر چونک کر ماں کو دیکھنے لگا "کیسی ہے مہوش تمہارے لیے...؟"

"امی جاب کیے مجھے ایک سال بھی نہیں ہوا اور آپ... ابھی نہیں۔" اس نے صاف انکار کردیا۔

"ابھی میں شادی نہیں کروں گی' صرف منگنی کروں گی۔"

"امی فی الحال کچھ نہیں۔" اس نے صاف انکار کیا۔

اسی لمحے ماہ مبین چائے کا کپ لے کر آگئی۔ جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اسی لمحے سے انہوں نے ماہ مبین پر نگاہ رکھنی شروع کردی۔ اس کے معمولات' اٹھنا بیٹھنا وغیرہ وغیرہ۔ اس کی خوب صورتی ایک طوفان کا پیش خیمہ نظر آرہی تھی۔

آپا کی مہوش اور خالہ کی نگار دونوں کے لیے عامر نے انکار کردیا تھا۔

"کیوں...؟" خشمگیں نگاہ اس پر ڈالی۔ تحمل برقرار تھا۔ جوان اولاد کو چھیڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

"میں خاندان میں اس گھر میں ہی شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے اخبار رکھ دیا۔

"کس سے؟" ڈوبتے دل کو سنبھالا خدشوں پر لاحول پڑھا۔

"بتادوں گا۔" وہ یک دم ہی ماں پر نگاہ ڈال کر باہر نکل گیا۔

وہ کافی دیر سے عامر کے ساتھ بحث میں الجھی ہوئی تھی۔ چھوٹی ممانی دو ایک بار دیکھ کر جاچکی تھیں مگر دونوں نے محسوس نہیں کیا تھا۔ اب کے انہوں نے جاکر عامر کی ماں کو اشارے کنایے میں سمجھا کر اندر بھیجا۔ اندر کا منظر ہی قابلِ دید تھا۔

عامر' ماہ مبین کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا رہا تھا بلکہ کھینچ رہا تھا اور وہ پیچھے ہورہی تھی۔

"عامر!" ان کا خون جل گیا "کیا مذاق ہے یہ؟"

"امی' ماہی سے کہیں کہ میرے ساتھ چلے آغا کے گھر اس کی بہن نے بلایا ہے۔" ماں کو دیکھ کر اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا آغا کی بہن ادھر آکر نہیں مل سکتی اور تم بھی خیال رکھا کرو آخر تم بھی ایک۔" اگلا جملہ انہوں نے روک لیا۔

ماہ مبین چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اور جاؤ تم اکیلے۔" عامر کو غصے سے پکڑ کر باہر نکالا۔

اسے ماں کے غصے کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی "تم یہاں کہاں بیٹھی ہو۔ اماں بی کے پاس بیٹھا کرو۔" وہ باہر

نکل گئیں۔

ماہ مبین حد درجہ حیران تھی کہ اس لہجے میں تو کبھی ممانی نے بات نہیں کی تھی۔ اب زینت اور روشن آرا ایک ہو گئیں۔ ان کی اولاد جوان تھی اور ماہ مبین خوب صورت بیوہ۔

اسے بھی زندگی گزارنی تھی کب تک تنہا رہ سکتی تھی۔ ماہ مبین کی بیوگی، محرومی اپنی جگہ، اس سے ہمدردی خدا ترسی اپنی جگہ مگر اس رحم دلی کے پردے میں وہ اسے نہ بہو بنا سکتی تھیں اور نہ ہی ترس کھا سکتی تھیں۔

ان کے خوب صورت برسرروزگار بیٹوں کے لیے کیا ایک بیوہ ہی رہ گئی تھی۔

"امی اپنی نواسی کو سمجھا کر رکھا کریں۔ گھر میں جوان لڑکے ہیں ذرا سنبھل کر رہے۔"

وہی لوگ تھے، وہی ماحول، وقت کتنا بدل گیا تھا۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر بہو کو دیکھا۔

"وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے اسے مزید..."

"امی! اس کے دکھ اپنی جگہ مگر وہ یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ وہ ایک بیوہ بھی ہے اور بیوہ کا ہمارے معاشرے میں کیا مقام ہے۔"

"بہو اس گھر کی بیٹی ہے وہ..." انہیں دکھ ہوا۔

"ہاں ہم بھی اسے بیٹی ہی سمجھتے ہیں۔ وہ بھی بہو بننے کے خواب نہ دیکھے۔" صاف اور دو ٹوک لہجے میں کہتی بڑی بہو باہر نکل گئیں۔

وہ ساکت بیٹھی رہ گئیں، ان کے کان کیا سن رہے تھے۔ تبھی اسی دروازے سے وہ اندر آگئی۔ چہرے کے گرد سفید دوپٹے کا احاطہ کیے سینے سے فی ظلال القرآن کی جلد دوم لیے۔

آؤ، بیٹا!" خود کو سنبھالا۔

وہ بھرگا ہے بگاہے اس کے کانوں میں دوسرے عقد کی بات ڈالتی رہیں مگر اس کی ناں ہاں میں نہ بدلی۔ وہ سسرال گئی۔ دونوں ممانیوں نے شکر ادا کیا مگر انہیں جلد از جلد کوئی فیصلہ کرنا تھا اور بیٹے تھے کہ پروں پر پانی نہیں پڑنے دیتے تھے۔

یہاں آکر اس کی یادیں تازہ ہو جاتی تھیں۔ سب کچھ ویسے ہی تھا۔ ساس سسر کے رویے، نندوں کی باتیں، فرحان اور اسد کی باتیں۔ بس اک شخص ہی کہیں گم ہو گیا تھا۔ وہ... وہ کیوں، نہیں آتا؟

اپنے بیڈ روم میں آکر وہ کتنی دیر گم صم بیٹھی رہتی اور پھر تکیوں میں منہ چھپا کر روئے چلی جاتی۔ اس کی خوشبو، اس کا احساس... میں۔ آرہا ہوں... جلدی سے ریڈی ہو جاؤ۔ شام تمہارے نام... رات... رات میرے نام...

مگر... مگر نہ شام آئی نہ رات۔ بلکہ شام غریباں اس کی ساری زندگی پر چھا گئی تھی۔ وہ گھنٹوں ساس کے ساتھ ریحان کی باتیں کرتی رہتی تھی۔ وہ بھی اسے اپنے بیٹے کی نشانی سمجھتی تھیں۔

وہ کافی دن ادھر رہی، وہی معمولات، وہی سب کا آنا جانا۔ سب کچھ ٹھیک تھا بس اِک شخص کے آنے کی آس نہیں ٹوٹتی تھی اور وہ آ بھی نہیں جاتا تھا۔

اس کی آمد احمد ہاؤس میں اداسی اور خوشی دونوں ایک ساتھ لاتی تھی۔ فرحان اور علیشا اسے خصوصی توجہ دیتے تھے۔

"بس امی، اب آپ فرحان کی شادی کردیں۔"

جواب میں انہوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی ہوں اچھی جاب ہے اس کی۔"

"آپ نے کوئی لڑکی دیکھی۔"

"علیشا بتا رہی تھی۔ چلیں گے دیکھنے۔"

اس کا ڈھیروں خون بڑھ گیا۔ ریحان چلا گیا تھا مگر اس کی ساس ابھی بھی اسے اس گھر کا فرد ہی سمجھتی تھیں۔ اس کی دل جوئی کرتی رہتی تھیں۔

فرحان کو اس نے بتایا ہم تمہارے لیے لڑکی دیکھنے جا رہے ہیں تو وہ ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔ معصوم، سیدھا سادہ سا انداز۔

"کیا ہوا؟"

"آں... ہاں، کچھ نہیں آئس کریم کھاؤ گی؟"

"کھاؤ گی!" ماہ مبین کی تمام حسیات الرٹ ہو گئیں۔ اِک ٹک اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟" فرحان نے اپنے لہجے پر توجہ نہیں کی تھی۔ وہ ایک دم اٹھی اور باہر نکل گئی۔

فرحان بے چینی سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

ماہ مبین اس گھر کی پسندیدہ بہو تھی۔ وقت کی بدقسمتی نے اسے خزاں رسیدگی دے دی تھی۔ وہ اس کی مانگ پھر سے سجا دینا چاہتا تھا۔ بے شک وہ اس کے بھائی کی بیوی رہ چکی تھی۔ اس کی پسندیدہ بھابی تھی۔ شوخ و چنچل، خوش مزاج، مہربان۔

امی، ابو سے بات کرنے سے پہلے خود اسے راضی کرنا تھا۔ اس نے آج لفظوں کو سہارا لیا تھا اور وہ پہلے ہی لفظ پر الرٹ ہو گئی۔

فرحان شرمندہ نہیں ہوا۔ بیوہ عورت سے عقد کرنا جائز ہے۔ اس نے دل کو سمجھایا مگر... رات کو گھر آیا تو ماہ مبین اپنے ددھیال جا چکی تھی۔

اُف! وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر رہ گیا۔

○☆○

"تمہاری نانی تمہیں ایک جگہ کیوں نہیں بٹھاتیں۔ یہ کیا تم آج یہاں، کل وہاں۔ بیوہ ہو تم۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے سسرال میں رہو۔" چچی رئیسہ نے اس کی شکل دیکھتے ہی باتوں باتوں میں کہا اور دادی کے کمرے میں بیٹھی وہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

"شگنوں کا گھر ہے، زہرہ کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آنا جانا لگا ہوا ہے۔ عقل ہے تمہیں یا نہیں؟"

"چچی میں اسی لیے تو آئی تھی کوئی کام ہو تو بتائیں۔" اس نے اپنے مختل حواسوں کو جمع کیا۔

"ارے رہنے دو، اب میں ایک بیوہ عورت سے کام کراؤں گی۔ میری بچی کی شگن کی چیزیں بہتر یہ ہے کہ تم اپنے سائے سے بھی اس کو بچاؤ۔" اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ یہ انداز، یہ لہجہ۔ وہ تو ان کا اپنا خون ہے۔ صاف انداز تھا ان کا کہ آئندہ یہاں مت آنا۔

"میری ماہ مبین آئی ہے۔" زین کے سہارے چلتی دادی اندر آگئیں۔ آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں پھنسنے لگا۔

"کتنے دن بعد آئی ہے تو۔" دادی نے اسے سینے سے لگا لیا اور وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی۔ ان کے شفیق سینے میں منہ چھپا لیا۔

زین کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ جاتے جاتے رئیسہ بیگم کی نگاہ زین پر پڑی اس کے چہرے کی الوہی چمک لو دے رہی تھی۔ ان کا ماتھا ٹھنکا۔

"اے بچے کیا ہوا؟" اس کا چہرہ سامنے کیا۔

"بس دادی جان اتنے عرصے بعد دیکھا ہے نا تو ابو یاد آگئے۔" ہتھیلیوں سے چہرہ صاف کیا۔

"میری بچی!" وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گئیں اور اسے ساتھ لگا لیا "وقت بھی تو کیسا بھاری آن پڑا ہے۔ سب ٹھیک ہے گھر میں۔"

"جی!" بمشکل خود پر قابو پایا۔

اور زین کا بس نہیں چل رہا تھا ان آنسوؤں کو ہتھیلیوں پر سنبھال لے۔

"زین، تم یہاں کیوں کھڑے ہو بہت فارغ وقت ہے تمہارے پاس۔ کراکری والے کے پاس گئے۔ دیکھو، رقیہ نے لسٹ بنائی ہے چیزوں کی وہ لے آنا آتے ہوئے۔ ہاں اماں بی، آپ نے کچھ منگوانا ہے۔" ایک سخت نگاہ سر جھکائے بیٹھی مبین پر ڈالی۔

"میرا تمباکو منگوا دو۔"

"اچھا، چلو زین!"

"آپ چلیں میں ماہ مبین سے مل کر آتا ہوں۔"

"مل لینا وہ ادھر ہی ہے کہیں نہیں جا رہی، فرصت سے ملنا، چلو اٹھو۔" انہیں پتنگے لگ گئے۔

ساس نے توجہ سے بہو کے غضب ناک چہرے کو دیکھا ابھی تو ٹھیک تھی۔

جب تک زین ان کے ہمراہ باہر نہیں نکل گیا، سر پر کھڑی رہیں۔ ان کے جانے کے بعد ماہ مبین نے رکا ہوا سانس خارج کیا اور دادی کے شانے پر سر رکھ لیا۔ اپنے بے خود ہوتے حواسوں کو بھی سنبھالنا تھا۔ دل کرچی کرچی ہو رہا تھا۔

○☆○

تین دن بعد اس کی چچا زاد زہرہ کی شادی تھی۔

فرحان کی بات سے ہرٹ ہو کر وہ ادھر آگئی تھی کہ زہرہ کی شادی بھرپور طریقے سے اٹینڈ کرے گی۔ کام وام کروائے گی۔ زہرہ اس کی بہت اچھی سی کزن تھی مگر آتے ہی چچی نے کیسا استقبال کیا تھا۔ اب کیسے وہ سب چیزوں میں حصہ لے گی۔ مہندی، مایوں، شادی ولیمہ، رت جگے، ڈھولکی۔

"تم تو بیوہ ہو۔" رات کے سناٹے میں چچی کی آواز کانوں میں گونجی۔

"اس سے انکار تو نہیں مجھے۔" اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

"کیا میں ہر چیز سے کنارہ کش ہو جاؤں؟" آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

دادی کروٹ بدلے محوِ خواب تھیں۔ چچی نے ہمیشہ اسے بوجھ سمجھا، آتے جاتے طنز کرنے سے باز نہیں آتی تھیں۔ دادی بھی ان کے سلوک سے واقف تھیں۔ اگر وہ بیوہ ہو گئی تو اس میں اس کا کیا قصور ہے۔ وہ تو خود خدا سے شکوہ کناں ہے خدا نے ریحان کو اس سے کیوں چھین لیا۔ اس کو آزمائش کی بھٹی میں کیوں ڈال دیا۔

فرحان آزمائش کی صورت میں اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

آج چچی نے آئینہ دکھا دیا۔

ٹھیک ہے چچی نہیں چاہتی تو وہ صبح نانی کے پاس چلی جائے گی۔ اس نے خود سے فیصلہ کیا۔ آئندہ صرف دادی سے ملے گی۔

صبح اس نے دادی کو کہہ دیا نانی کی طبیعت خراب ہے وہ جا رہی ہے۔

"ارے، باؤلی ہوئی ہے کیا لڑکی! کل بہن کی مایوں ہے۔ شادی ختم کر کے جانا۔ تجھ پر کون سی ذمے داری ہے۔" وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"جانے دیں اماں بی، جاتی ہے تو اس کے جانے سے شادی رک تھوڑی جائے گی۔ جاؤ بی بی، جاؤ۔" انہوں نے صاف لہجے میں کہا۔

"امی کیا ہو گیا ہے آپ کو کبھی تو خیال کر لیا کریں۔" ان کا خوب رو جوان بیٹا عمر اُن کے مقابل آگیا۔

"اگلی خود رکنا نہیں چاہے تو مجبوری ہے بھلا۔ ہونہہ! عروسہ، ذرا تم کیا کر رہی ہو۔ چلو جاؤ پیکنگ کرو۔ زہرہ کے کمرے میں۔"

"آؤ ماہ مبین!" عروسہ نے ہاتھ کھینچ کر اٹھایا۔

رئیسہ بیگم کو کھولن ہونے لگی۔ ان کی نا ہنجار اولاد... جتنا وہ زہرہ کو اس بیوہ کے سائے سے بچا رہی تھیں، ان کی نالائق اولاد...

"تم چلو، میں آتی ہوں۔" اس نے سہولت سے ہاتھ چھڑایا۔

"جلدی آنا۔"

"ہاں بس، دادی جان کے سر میں تیل لگا کر آتی ہوں۔"

وہ جو اُن سب کی محبت میں مبتلا تھی یک دم ہی آگہی کے در اس پر وا ہوتے چلے گئے۔

"ماہ آؤ، میں تمہیں اپنی مووی دکھاؤں پکنک کی۔" زین ادھر آگیا۔

"بہت فرصت ہے تم لوگوں کو اور کوئی کام نہیں ہے کیا؟ اسے دادی کا کام کرنے دو۔" انہوں نے زین کو جھڑک دیا۔ وہ غصے سے پلٹ کر چلا گیا اور ماہ مبین، دادی کے کمرے میں چلی گئی۔ عمر کھڑا ماں کا لہجہ اور انداز دونوں نوٹ کر رہا تھا اور وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ ماہ مبین تو ان سب کی بہت اچھی کزن تھی۔ بالکل بہنوں کی طرح اس کی ذات کا دکھ انہیں بہن بھائیوں کی طرح محسوس ہوتا تھا لیکن اب... انہوں نے ماں کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔

"امی، آپ کا رویہ ماہ مبین کے ساتھ اتنا روڈ کیوں ہے؟ جانتی ہیں آج کل وہ کس دکھ سے ہمکنار ہے۔ ہمیں اس کی دل جوئی کرنا ہے حوصلہ بڑھانا ہے اس کا۔ ہم اپنے ہیں اس کے۔ اس کے بابا یہاں نہیں ہیں ماں ہے ہی نہیں۔"

رئیسہ بیگم نے تیکھے چتون سے خاصی توجہ سے برخوردار کی بات سنی اور طنز سے ہنسی "چل گیا اس بیوہ کا جادو۔ منحوس ابھاگن کیا لینے آتی ہے یہاں؟ شگنوں سے بھرا گھر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں۔"

عمر حق دق کھڑے ماں کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کی ماں کی سوچ کو کیا ہو گیا ہے "امی، یہ حادثہ قدرتِ خداوندی ہے کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہم کسی بندے کو قصور وار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اپنا رویہ چینج کریں۔ شادی تک ماہ مبین کہیں نہیں جائے گی۔" اس نے حتمی فیصلہ سنا دیا۔

"عمر اپنے کام سے کام رکھو، میں ماں ہوں تمہاری بہتر جانتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ چلو جاؤ یہاں سے ایک زین اس کی ہمدردی میں مرا جا رہا ہے۔ بھائی جان کو کچھ نظر نہیں آرہا اور قاسم کو تو اس کی بیوگی کا اتنا دکھ ہے کہ آہیں بھر رہا ہے۔ سن لو عمر میں کوئی ایسی ویسی بات برداشت نہیں کروں گی۔" اپنی کھولن باہر نکالتی رئیسہ بیگم باہر نکل گئیں۔

"مائی گاڈ!" عمر نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ سب کی ہمدردی کو امی کتنا غلط رنگ دے رہی ہیں اور اگر ان میں سے کسی نے یہ سچ کر دکھایا پھر...

⊙☆⊙

وہ نوٹ کرتا رہا ماں کا رویہ۔ انہوں نے ماہ مبین کو قریب نہیں جانے دیا زہرہ کے۔ وہ ڈھولک کے لیے زبردستی بلانے پر آکر بیٹھتی تو چچی کسی بہانے سے اٹھا دیتیں۔ وہ بھی کوئی بچی نہ تھی جو چچی کے انداز کو سمجھتی نہ تھی۔ بہانے بہانے سے دادی کے ساتھ مصروف رہتی یا پھر کچن میں چلی جاتی۔ وہاں زین یا قاسم آجاتے۔ ان کی آنکھوں سے جھلکتے جذبے اسے باہر نکلنے پر مجبور کر دیتے اور اگر ایسے کسی منظر کو چچی دیکھ لیتیں تو پھر قیامت کا سامنا ہوتا۔ اس کا وجود بھیگا موم بن کر رہ گیا۔ قدم قدم پر اسے ریحان کی یاد ستاتی اس کی کمی کا احساس ہوتا۔ اس کا قصور۔

زہرہ کی رسمِ حنا کے وقت چچی نے اسے اٹھا دیا اس کا دل پھل پھل رو رہا تھا "تم اس قابل نہیں ہو کہ کسی رسم میں حصہ لو۔"

عمر خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔ اس کی ماں کتنی دقیانوسی عورت تھی۔

عروسہ نے زبردستی اس کی ہتھیلیوں پر مہندی لگانی چاہی تو چچی نے جھڑک کر اٹھا دیا۔

"بیوہ کو یہ شگن زیب نہیں دیتے۔ زمانہ کیا کہے گا۔"

"امی حد کرتی ہیں آپ بھی۔" عروسہ نے کھینچتے ہوئے ہتھیلی کو دوبارہ اپنی جانب کیا "وہ بیوہ ہے تو اس میں اس کا تو کوئی قصور نہیں ہے نا۔ ابھی زندگی گزارنی ہے اس نے کم عمر ہے۔ جذبے، شوق سب سلامت ہیں پھر مہندی پر پابندی..."

"پلیز عروسہ رہنے دو۔" ایک دم ہی ہتھیلی کھینچی اور اٹھ کر باہر بھاگ گئی۔

اس نے تاسف و ملال سے اسے جاتے دیکھا "امی اگر یہ کچھ سب آپ کی بیٹی کے ساتھ ہوتا پھر۔" گھوم کر ماں کو دیکھا۔

"بکواس بند کرو، کالی زبان۔" رئیسہ بیگم نے دو تھپڑ جڑ دیے۔

"پتا نہیں کب آپ کو اپنی زیادتیوں کا احساس ہو گا۔"

"شاید کبھی نہیں۔" عمر نے تاسف و ملال سے کہا اور پلٹ گیا۔

"یک نہ شد دو شد۔" بڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

اس کی پوری مرضی تھی کہ وہ شادی میں نہیں جائے گی مگر اس کے سر پر عروسہ کھڑی تھی۔

"عروسہ، میرے پاس کوئی اس قسم کے کپڑے نہیں ہیں جو میں۔" اس کا سر جھک گیا۔

"کیوں جھوٹ بولتی ہو وہ سی گرین چوڑی دار پائجامہ کرتہ۔ مون لائٹ کا سوٹ ایسا کرو تم پرپل ساڑی باندھ لو۔"

"عروسہ!" اس کے لہجے میں ہلکا سا احتجاج تھا "میں... میں... چچی جان۔"

"ماہ مبین!" عروسہ دھیرے سے اس کے سامنے بیٹھ گئی "ریحان بھائی کی وفات کا ہم سب کو افسوس ہے ماہی۔ مگر تمہارا انتقال نہیں ہوا تمہیں بہت لمبی زندگی گزارنی ہے یوں لوگوں کی باتوں کو سوگ اور روگ بنا لو گی تو زندگی کیسے گزارو گی۔ زندگی کی خوشیوں پر تمہارا حق ابھی ہے۔ ریحان بھائی کے ساتھ زندگی ختم نہیں ہو گئی۔

تم ان کے ساتھ۔"
"کاش... کاش۔" وہ عروسہ کے شانے سے لگ گئی "کاش میں ان کے ساتھ ہی مرجاتی۔ فنا ہوجاتی اس دہرے عذاب سے نہ گزرتی' قدم قدم پر احتساب۔ عروسہ میں کیا کروں' کیا کروں میں؟" عروسہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

زندگی نے اسے کس دوراہے پر لاکر کھڑا کردیا تھا۔
"میری جان تم صرف اتنا کرو جیسے تم زندگی گزارنا چاہتی ہو گزارو' لوگوں کی پروا کرو گی تو وقت سے پہلے ختم ہوجاؤ گی۔"

"کہنے والے میرے اپنے ہی تو ہیں۔" آنچل سے آنسو صاف کیے۔

"اپنے ہوں یا پرائے' غلط بات غلط ہے۔" دھیرے سے اس کا بھیگا ہوا رخسار چھوا۔

اب وہ کیا بتاتی کہ وہ کس کس تکلیف دہ مرحلے سے گزر رہی ہے۔ فرحان' زین' قاسم' عامر۔ کس کس سے پہلو بچائے۔ سب اس سے ہمدردی رکھتے تھے۔

"چلو اٹھو' تم یہ والا ڈریس پہنو گی۔" دھیرے سے پنک کلر کا کام والا سوٹ نکالا۔

"نہیں' میں نے وائٹ کلر کا سوٹ نکالا ہے۔"
"پھر وہی بات!" تنبیہہ کی۔
"اچھا پھر بلیک والا پہن لیتی ہوں۔"
"جانتی ہو زہرہ کو۔" عروسہ ذومعنی انداز میں ہنسی۔
"پھر۔" اس نے بے چارگی سے دیکھا۔
"تم یہی ڈریس پہنو گی۔ کل اپنی پسند سے پہن لینا۔" اس نے دھیرے سے سر جھکالیا۔

عروسہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا "کوئی کچھ نہیں کہے گا تمہیں۔"

شادی والے دن وہ سب سے الگ تھلگ دادی کے پہلو سے لگی رہی۔

ولیمے والے دن اس نے اپنی پسند کا وائٹ لباس پہنا سارے بالوں کو سمیٹ کر چوٹی بنائی اور اس پر بینڈ لگالیا۔ کانوں میں ہلکے سے ٹاپس۔ اس کی تیاری مکمل تھی۔ میک اپ سے مبرا۔ وہ سادہ سی بھی اچھی لگ رہی تھی۔

"خبردار جو زہرہ کے پاس گئیں۔" چچی نے وارن کردیا تھا۔ اس لیے آج بھی دادی کے ساتھ ساتھ رہی اور وہ سامنے اسٹیج پر بیٹھی زہرہ اور نہال بھائی کو دیکھتی رہی۔ سب اس سے مل رہے تھے۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری پوتی ہے آپ کی۔"
آواز پر سر گھمایا۔ ایک خاتون دادی سے مل رہی تھیں۔ نگاہ اس پر تھی۔

"ہاں' ایسے حسن کا کیا کرنا جو بدنصیب ہو' بیوہ ہے۔" چچی کی آواز پیچھے سے آئی۔ اس کا وجود لرز گیا۔

"چ... چ... چ۔" اس نے نگاہ پھیرلی۔ جانے چچی کیوں اس سے بیر کرنے لگی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ عمر نے انہیں کس مقام پر لاکر کھڑا کردیا تھا۔ عتاب اس پر ہی گرتا تھا۔

وہ خود پر خواتین کی نگاہ محسوس کررہی تھی پھر بھی لاتعلق سی رہی۔ اس بیوگی میں اس کا کتنا قصور تھا۔ کتنی مکمل تھی اس کی زندگی۔ ریحان کا ساتھ' خوشیاں۔ جانے کیسی نظر تھی جو ان کی خوشیوں کو کھاگئی۔ آنکھ میں آیا اکلوتا آنسو پور پر سمیٹ لیا۔ اس کا ذہن کہیں اور سفر کررہا تھا۔

شادی کے ہنگامے ختم ہوگئے۔ اس نے بھی بیگ سمیٹ لیا۔

ارے بیٹا' کچھ دن تو رہ' ابھی تو آئی تھی۔"
"بس دادی' جاؤں گی نانی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"آج کل موسم بھی تو ٹھنڈا شروع ہوگیا ہے۔ جائے گی کیسے؟" دادی اپنی رو میں بولتی جارہی تھیں اور وہ ایک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی۔ کاش دادی زبردستی روک لیتیں مگر دادی کیسے روکتیں بہو کی زبان سے واقف تھیں۔ اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ماہ مبین کا مزید دل دکھے۔

"رکشا سے۔"
"زین چھوڑ آتا ہے۔"
جواب میں تلخ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر

تھی۔
چچی صاحبہ چاہتی ہیں کہ میں ان کی اولاد کے پاس نہ ٹھہروں چہ جائیکہ ان کے بیٹے کے ساتھ۔
"میں تایا ابو کو دیکھتی ہوں۔ ہوئے تو ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

وہ باہر نکل گئی اور دادی اسے دیکھتی رہیں۔ وقت نے اسے کتنا سمجھ دار بنادیا تھا۔ کاش... کاش۔

○☆○

اسے دیکھتے ہی بڑی ممانی کے ماتھے پر بل پڑگئے۔ چھوٹی ممانی راستے سے پلٹ گئیں۔ عامر خوشی سے اس کی جانب بڑھا۔ جسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھتی آواز دے کر ساتھ لے گئیں۔

عظمیٰ اور سارہ تپاک سے ملیں اور وہ ان کے ہمراہ نانی کے کمرے میں آگئی۔ وہاں بیٹھی بڑی خالہ کی بیٹی مہوش اسے دیکھتے ہی طنزیہ نگاہ اس پر ڈالتی کھڑی ہوگئی۔

"آگئیں' خاندانی نور سے۔"
"ماہ مبین کبھی نہیں مہوش..." عظمیٰ نے سرزنش کی۔ جبکہ مہوش پر نگاہ ڈالتی کہتی کیسی ہو مہوش... وہ نانی ماں سے ملنے لگی۔

"کتنے دن بعد آئی ہے بچی' ٹھیک تو ہے شادی کیسی رہی؟"

"سب کچھ ٹھیک ہے اور شادی میں بہت مزہ آیا۔" اس نے اپنے چھلنی ہوتے وجود کی تکلیف کسی پر ظاہر نہ کی۔

"شادی میں کتنے تیر چلے۔ کتنے کامیاب ہوئے۔ کتنے کامیابی کی جانب گامزن ہیں۔ یہاں تو معرکہ مارگئی تھیں؟" جانے اس کے پیچھے کیا ہوا تھا۔ مہوش کی زبان زہر اگل رہی تھی اور آنکھیں سالم نگلنے کو بے تاب۔ بڑی ممانی اور چھوٹی ممانی کا رویہ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ آنکھوں میں حیرت آمیز تحیر تھا۔

"پلیز مہوش تم جاؤ۔ ماہی ابھی..." سارہ اسے کھینچتی باہر لے گئی۔ اس کے لفظوں نے اسے دم بخود کردیا۔

"اس کو سمجھا دینا عظمیٰ جو کھیل یہ بیوگی کی اوٹ میں کھیلنے جارہی ہے وہ میں نہیں کھیلنے دوں گی کمینی کو۔"

"عظمیٰ... !" اس کا دل پھٹنے لگا "کیا ہوا ہے۔ یہ مہوش... تم"
"اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ تم ریلیکس کرو۔" اس نے تسلی دی۔

"ادھر آ... میرے پاس۔" تشفی کے لیے نانی نے اسے پاس بلایا۔

اس کے وجود کی کشتی بھنور میں ہچکولے لے رہی تھی۔

"پاگل' بددماغ... ہوگئی ہے وہ تو۔"
اور وہ ہارے ہوئے انسان کے مانند نانی کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ اس کا قصور' اس کی غلطی۔ وہ تو خود اپنی ذات کو طوفانوں سے بچاتی پھر رہی تھی۔ یہاں تو اک اور قیامت کا سامنا تھا۔

مگر کیسی قیامت۔ اس کی عدم موجودگی میں کیا ہوا ہے ایسا؟ سوالیہ نگاہ عظمیٰ پر ڈالی۔ وہ نگاہ چرا کر باہر نکل گئی۔ نانی اماں پاندان کھولنے لگیں۔

اگلے چند دن میں سب کے خاموش رویے' ممانیوں کا سلوک' مہوش کا کھا جانے والا انداز' اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔

"ماہی' ماہی... ادھر آؤ۔ میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔" وہ جو نانی کے پہلو میں پناہ تلاشتی رہتی تھی اس کی آواز سن کر چونک گئی۔

"کیوں' وہ چیز تم اسے یہاں نہیں دکھا سکتے۔ جو مکار گھنی لومڑی کو کونوں کھدروں میں لے جارہے ہو دل پشوری کے لیے...؟"

کھلی تضحیک' مہوش کا طنزیہ آمیز انداز' تیکھے ابرو ماہ مبین کا دل چاہا کٹ مرے۔

"مہوش کیا بکواس ہے یہ؟" عامر دہاڑا۔
"سچ کڑوا ہوتا ہے نا جو تم..."
"شٹ اپ!" جب کہ وہ کھکھلا کر ہنس دی۔

وہ غڑاپ سے نانی اماں کے کمرے میں آگئی۔ جو نہانے جاچکی تھیں۔ ان کے تخت پر وہ ہارے ہوئے انسان کے مانند گرگئی۔

باہر سے عامر اور مہوش کے زور زور سے بولنے کی

آوازیں آرہی تھیں۔ ساتھ میں بڑی ممانی کی آواز بھی شامل ہوگئی۔ اس کی ذات کے پرخچے اڑ رہے تھے۔ کیوں.... کیوں۔ اس کا قصور تبھی دھڑ سے دروازہ کھول کر مہوش اندر آگئی۔

"تم.... تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔ خوب صورت حسینہ' میں تمہارا چہرہ تیزاب سے بگاڑ دوں گی۔ عامر میرا ہے' میری محبت اگر وہ میرا نہیں ہوا تو کسی کا نہیں ہوگا۔ کمینی' منحوس عورت۔ بیوہ ہے تو عشق لڑاتے چلی ہے۔ اپنے مرحوم شوہر کی عزت کا ہی خیال کرلے۔"

وہ دم سادھے۔ ساکت چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہوش اڑ چکے تھے۔

"اپنے ددھیال میں رہ جاکر یہاں تیری گنجائش نہیں ہے۔"

"مہوش!" پیچھے سے دانیال کی آواز ابھری۔

"دیکھ!" مہوش پاگل ہورہی تھی "کیسے تیرے حمایتی یار آرہے ہیں...." پرتحقیر لہجہ' گندی زبان میرے لیے' میرے خدا۔ اس نے چکراتے ہوئے سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔ چکراتے ذہن اور بند ہوتی آنکھوں نے یہ دھندلے سے منظر دیکھے۔ دانیال بھائی مہوش کو تھپڑ مار رہے تھے۔ بڑی ممانی انہیں کھینچ رہی تھیں اور اس کی ہمدرد غمگسار مہربان نانی ہائے میری بچی کہتی اس کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ جانے کتنے زمانے بیت گئے۔ کتنے ماہ و سال کا عرصہ بیت گیا ہوگا۔

اسے ہوش آگیا۔ سب اس کے گرد تھے مگر وہ آنکھیں موندے پڑی رہی۔ نڈھال' مضمحل۔ کیوں.... کیوں سب کچھ اسے یاد آرہا تھا۔ کچھ بھی بُرا نہیں لگ رہا تھا۔

"ماہی!" عظمیٰ نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ برف کے مانند سرد ہاتھ "تم ہوش میں ہو' تم ٹھیک ہو؟"

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر دیکھا اور دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں ان گنت سوال تھے۔

"شکر ہے اسے ہوش آگیا۔" عظمیٰ نے آنکھیں چرالیں "میں سوپ لاتی ہوں۔" وہ باہر نکل گئی۔

نانی اس کے پاس تھیں۔ دھیرے دھیرے بالوں میں ہاتھ پھیرتی اس کی مونس و غمگسار... مگر۔

رات نانی بالکونی میں نماز پڑھ رہی تھیں اس نے عظمیٰ کو روک لیا "عظمیٰ وہ سب... گھر والوں کے رویے اور نگی خالہ۔"

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ماہی پلیز الٹا سیدھا مت سوچو۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوگا نہیں مروں گی میں۔ صرف میرا قصور' بتادو۔"

"ماہی!" اس کی آنکھوں میں رحم تھا۔

"بولو عظمیٰ ورنہ میرا دل!" عظمیٰ نے اک نگاہ اس کے ملتجی چہرے پر ڈالی۔

"مہوش' عامر کو پسند کرتی ہے۔ عامر کی بھی دلچسپی تھی مگر اس کی زبان کی کڑواہٹ' جھگڑالو فطرت اور شکی انداز... وہ کہتے ہیں کہ اچھی صورت کو چاٹنا ہے کیا۔ ان کا راستہ بدل گیا۔ اب وہ تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

اس کا منہ کھل گیا۔

"مہوش تمہیں قصوروار سمجھ رہی ہے اور نگہت خالہ کے عدیل بھائی بھی تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ..." اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"اس لیے ممانی' خالہ اور مہوش سب غصے میں ہیں۔ ان کی فطرت سے تو تم آگاہ ہی ہو۔"

"میرا قصور؟" بمشکل اس کے ہونٹوں سے نکلا۔

"سب سمجھتے ہیں کہ تم بھی..."

"اُف!" اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

وہ تو ان کے گھر کی تھی۔ ان کا خون تھی ان کی اپنی ان سب نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ اتنی اوچھی حرکت کرسکتی ہے۔ وہ تو ریحان کے بعد کسی دوسرے کا تصور بھی سوہانِ روح سمجھتی ہے چہ جائیکہ۔ اس کی آنکھوں سے اشک بہہ نکلے۔

"عظمیٰ.... عظمیٰ خدا کی قسم میں انہیں اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔ اس سے زیادہ میں نے انہیں کبھی اہمیت نہیں دی۔" وہ اس کے ہاتھ تھا کر سسکی۔

"میں جانتی ہوں ماہی۔" عظمیٰ نے دھیرے سے اسے ساتھ لگالیا۔ وہ سسک سسک کر رودی۔

وہ رات اس پر ماتم کناں تھی اور وہ فریادی۔ اس کا دل چاہا کہ ریحان کی قبر سے لپٹ لپٹ کر روئے۔ دھاڑیں مار مار کر پوچھے اس پر یہ ظلم کیوں کیا۔ کیوں اسے بے سائبان کرگئے کہ لوگوں نے مالِ غنیمت سمجھ کر اس کی جانب بڑھنا شروع کردیا۔ اس کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا یا وہ ستی ہوجاتی۔ مٹا ڈالتی خود کو یوں اس کی ہستی تو ارزاں نہ ہوتی۔

کیوں مرجاتی ہیں مائیں' کیوں باپ وقت سے پہلے بچھڑ جاتے ہیں۔ اس کے باپ نے اس کے متعلق کیوں نہیں سوچا۔ کہاں رہے گی۔ ددھیال جائے وہاں خونی نگاہوں کا تعاقب۔ ننھیال آئے یہاں الزام' بہتان۔ سسرال جائے۔ کیسے بچے۔ یا خدا.... یا خدا۔

اس رات وہ دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر روتی اپنی بے سروسامانی پر اب وہ یہاں نہیں رہے گی۔ کہیں نہیں رہے گی۔

اس شامِ غریباں کی سحر بہت افسوس ناک تھی۔ صبح اِک نئے عزم و ارادے سے آئی تھی۔

اس نے خود کو نانی کے کمرے میں قید کرلیا۔ عظمیٰ کھانا دے جاتی۔ ساتھ ہی مختلف اخبار منگوالیتی۔

سب سے پہلے ایک ہفتے کی مسلسل کوشش سے اس نے جاب تلاش کی۔ انگلش فیری اسکول میں میتھ اور سائنس ٹیچر کی ضرورت تھی۔ اس نے درخواست بھیجی قبول ہوگئی۔

انٹرویو سے واپسی پر ویمن ہاسٹل میں اپنی رہائش کا بندوبست کیا۔ گھر آکر اپنا ضروری سامان پیک کیا۔

"سسرال جارہی ہے ماہی؟" ماہ جبین انہیں دیکھنے لگی۔

"نہیں!"

"پھر دادی کے پاس۔" نانی اماں نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

"نہیں' میں نے جاب کرلی ہے اسکول میں۔ اب میں ہاسٹل میں رہوں گی۔"

"کیا!" نانی انگشت بدنداں رہ گئیں۔

"ہاں نانی' بیوہ مجھے خدا نے بنایا ہے۔ اس کی مرضی مگر میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا "اور آپ اس گھر کے حالات اور عزائم سے بے خبر نہیں۔ کچھ عرصہ رہوں گی وہاں اس کے بعد میں ابو کے پاس چلی جاؤں گی۔" اب سوائے آزردگی اور ملال کے ان کے پاس کیا تھا۔

رات اس نے دونوں ماموؤں سے بات کی "بیٹا یہاں آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

"یہاں" وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ میری ذات کے پرخچے اڑ رہے ہیں۔ میرے کردار کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں۔

"ماموں' ہاسٹل بھی شکر ہے زیادہ دور نہیں آتے جاتے آپ لوگ مجھ سے مل سکتے ہیں۔"

ان لوگوں نے زیادہ مزاحمت نہیں کی بیویوں نے انہیں باخبر رکھا ہوا تھا۔

"کیوں.... کیوں۔" عامر' زین اور عظمیٰ اس کے رُوبرو تھے۔

"خس کم جہاں پاک۔" مہوش کی بڑبڑاہٹ اس نے سنی تھی۔

جب باپ اپنی اولاد کو بھول جائے تو اولاد کو زندگی کے بارے میں خود کوئی فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ میری ماں آج بھی آسمان پر میرے لیے دعا کرتی ہے جو اللہ میری راہنمائی کررہا ہے۔

"میں تم لوگوں کی ذمے داری نہیں ہوں۔ اب میں ایک مضبوط عورت بننا چاہتی ہوں۔"

"تم کہیں نہیں جارہیں۔" دانیال بھائی کی آواز ان لوگوں کی پشت سے ابھری "یہ تمہارا بھی گھر ہے۔" وہ سامنے آگئے۔

"نہیں میرا گھر کوئی نہیں ہے۔ سب نانی' دادی کے گھر ہیں۔ میرے باپ کا گھر میرا ہوتا۔"

"ٹھیک ہے پھر۔" دانیال سامنے آگیا "میں تم سے نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"کیا!" سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"کیا... کیا... کیا..." چیل کی طرح بڑی ممانی اندر آگئیں "میرے کنوارے بیٹے کے لیے کیا ایک بیوہ ہی رہ

گئی ہے۔ حرافہ، کیا گھول کر پلا دیا ہے کہ ہر کوئی تیرے پیچھے مر رہا ہے۔" عظمیٰ کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھتا بڑی ممانی نے اسے بالوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"امی.... امی.... چچی کیا ہو گیا ہے۔ نانی اماں پلیز۔" سب نے یک بیک اسے چھڑایا۔

"ہمارا کھاتی ہے اور ہماری ہی تھالیوں میں چھید کرتی ہے۔" ان کی زبان کفر بول رہی تھی اور آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ سالم نگل جائیں۔

"دانیال بھائی!" اس کا وجود اس تذلیل پر نوحہ کناں تھا مگر تحمل برقرار تھا۔ شور و غل سن کر نانی اماں اور چھوٹے ماموں بھی آ گئے۔

"ہے آپ کے اندر اتنا حوصلہ کہ مجھ سے نکاح کر سکیں۔" اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

"ہاں ہے۔"

"چلو۔" جھپٹ کر اس کا ہاتھ تھام کر دروازے کی جانب بڑھے۔

"مگر! میرے اندر نہیں ہے۔" اس نے ہاتھ چھڑا لیا "میں کسی ماں کی بدعاؤں پر گھر نہیں بناؤں گی۔ میں مالِ غنیمت نہیں ہوں کہ لٹ جاؤں۔ میری ماں آج بھی مجھے سمجھاتی ہے کہ کبھی جذباتی مت ہونا۔ جذبات ہمیشہ ندامت پر ختم ہوتے ہیں۔ ماموں یہ وجہ ہے گھر چھوڑنے کی۔"

تبھی چھوٹی ممانی دروازہ کھول کر اندر آ گئیں۔ جانے وہ کیوں اس ہنگامے سے بے خبر تھیں۔

"میرا باپ دور ہے مگر میں اس کی عزت پر حرف نہیں آنے دوں گی۔ آپ سب لوگوں کو آپ کی اولاد مبارک ہو۔" اس کا صبر قابلِ دید تھا اور ضبط پل صراط کے مانند تھا "میں بیوہ ضرور ہوں مگر بے کردار نہیں۔ اس گھر کے ماحول نے میری تربیت کی ہے۔ میں یہاں نقب نہیں لگاؤں گی۔" اس کے بعد وہ رکی نہیں اور باہر نکل گئی اور سب دم بخود کھڑے رہ گئے۔

ہاسٹل میں چند دن آرام سے گزرے پھر چوکیدار نے کسی کے آنے کی اطلاع دی۔

"کون ہو سکتا ہے؟" دھیرے سے بالوں کو کلپ لگایا اور باہر نکل گئی۔

گیسٹ روم میں فرحان کھڑا تھا "تم! خیریت تو ہے نا؟"

"آپ یہاں کیوں آ گئیں، گھر نہیں تھا کیا آپ کا؟"

"گھر!" عجیب سا کرب تھا اس کے انداز میں۔

"کوئی پرابلم تھی، پریشانی تھی تو ہم تھے نا شیئر کرنے والے۔"

اس کا دل چاہا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ بین کرے۔ تم سب... تم سب ہی تو ہو مجھے یوں گھر سے بے گھر کرنے والے۔ میری بیوگی کو تماشا بنانے والے۔

"امی بھی آئی ہیں باہر ہیں۔"

"اچھا!"

"جاب کیوں کی تم نے۔" اس پر آنکھیں مرکوز تھیں "تم!" وہ چونکی۔

"میں اپنے پیروں پر کھڑی ہونا چاہتی ہوں۔ ایوننگ کالج میں ایڈمیشن بھی لے لیا ہے۔ انشاء اللہ لیکچرر یا پروفیسر کی پوسٹ تک پہنچنا ہے۔" اس کے لہجے میں عزم تھا۔ فرحان اسے دیکھے گیا۔

"میں امی سے مل لوں۔" وہ باہر جانے لگی۔

"ماہ مبین!" اس نے بے ساختہ پکارا۔ وہیں رک گئی۔

"گھر میں بہت سناٹا ہو گیا ہے اور امی میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔" اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا مگر اس کا ضبط کمال کا تھا۔

"اچھا ہے رونق ہو جائے گی۔"

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے صبر و ضبط کو آزما رہا تھا مگر۔ صبر و ضبط، ایثار و قربانی، برداشت، تحمل اور وقار تو اس کے کردار کی مضبوطی بنتے جا رہے تھے۔

"فرحان! تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تم سے شادی کر لوں گی؟" حالانکہ اس نے سوچا تھا ہاتھ باندھ کر

روتے ہوئے فرحان سے کہے گی۔ مت کرو میری تذلیل، ایک گھر تو میرے لیے عزت سے رہنے دو۔ جہاں میں سر اٹھا کر داخل ہو سکوں کسی چیز کی شرمندگی نہ ہو۔

"ریحان میرے لیے جو تھے کوئی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ جب وہ نہیں تو پھر دوسرا ابھی کیوں؟" اِک مضبوط نگاہ اس پر ڈالی تھی اور باہر قدم بڑھانے لگی تھی۔

"تم ابھی کم عمر ہو اور زمانہ سرگرم ہے۔ تمہیں اِک سہارا چاہیے زندگی تنہا نہیں گزر سکتی۔" فرحان کی آواز پیچھے سے ابھری۔

"بے شک... مگر ابھی نہیں اور جب ایسے کسی سہارے کی ضرورت ہوئی تو وہ خاندان کا کوئی فرد نہیں ہو گا۔" اس کے بعد وہ رکی نہیں اور فرحان آزردگی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ یک دم ہی بہت بدل گئی تھی۔

"تم ہاسٹل میں کیوں رہ رہی ہو، تمہارا گھر ہے ابھی۔" دھیرے سے اس کی پیشانی چوم کر اسے ساتھ لگا لیا "ابھی کچھ دیر پہلے تمہاری نانی کو فون کیا تھا تمہاری خیر لینے کے لیے انہوں نے بتایا۔ میں فوراً ہی آئی ہوں۔"

"گھر!" اِک نوحہ اس کے ہونٹوں پر دم توڑ گیا۔ اس کی خاموشی اس کے لیے شرمندگی بن سکتی تھی۔ ساس کچھ بھی سمجھ سکتی تھیں۔

"امی میں بیوہ ہوں، سب مجھ پر ترس کھانا چاہتے ہیں۔ میں کم عمر ہوں سہارا دینا چاہتے ہیں۔ میں کس کس کے ہاتھ جھٹکوں۔ میں کوئی چوراہے پر رکھا سامان تو نہیں جو میری تذلیل ہو۔ ریحان سے بہتر میرے لیے کوئی نہیں تھا۔ اس کے بعد کوئی نہیں۔" آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔

انہوں نے ساتھ لگا لیا۔ دکھ، تکلیف، ہمدردی، اذیت۔ آنسو بہتے چلے گئے اور وہ صبر و ضبط کھوتی ہوئی بلک بلک رو رہی تھی۔

"یا خدا! اتنی چھوٹی سی عمر اور آزمائش۔ کیوں چھین لیا تو نے اس کا سہارا اس کا سائبان۔ تو خود بھی اس کی مظلومیت پر انگشت بدنداں ہو گا۔ کیا مل گیا تجھے اے

رب اس بے سہارا بچی کو بے آسرا کر کے۔" انہوں نے دھیرے سے اس کے آنسو سمیٹے۔

"آپ فرحان کی شادی کردیں میں اپنے گھر آجاؤں گی۔" خود پر قابو پا کر دھیرے سے کہا اور وہ دل میں اس باہمت لڑکی کو داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

"اس کے لیے کسی بھی سہارے کو پالینا کیا مشکل تھا۔ ماشاء اللہ خوب صورت تھی۔ کم عمر تھی' خاندانی تھی' بیوگی نے کردار میں پختگی پیدا کردی تھی۔ کاش! کاش!"

دھیرے سے اسے شانے سے لگالیا۔

○☆○

پھر کئی سال گزر گئے۔ اس کا ایم اے مکمل ہوگیا۔ اسکول سے کالج میں آگئی۔ دادی کا انتقال ہوگیا۔ نانی سے ملنے اکثر چلی جاتی۔ فرحان نے اس کے لیے بہت چکر لگائے مگر اس کی ناں ہاں میں نہیں بدلی پھر فرحان کی شادی ہوگئی وہ اکثر جاتی تھی۔ اس کے کزن قاسم اور زین آج تک اس کے لیے خوار پھر رہے تھے مگر اس نے ہاں نہیں کی۔

دانیال نے بھی ابھی تک شادی نہیں کی۔ عمر بھائی کی شادی عظمیٰ سے ہوگئی تھی۔ عدیل بھی منگنی شدہ ہوگیا۔

وقت نے اس کے گریس میں اضافہ کردیا تھا۔ ریحان کی یاد اس کے ساتھ تھی۔

پچھلے چند برسوں سے ریحان کی جدائی اور یادِ مسلسل نے اسے تھکایا نہیں تھا بلکہ عجیب سی قوت' عجیب سی طاقت پیدا کردی تھی۔ یہ ریحان سے سچی محبت ہی تھی کہ ریحان کا حوالہ آج بھی خوشبو بن کر اس کے گرد لپٹ جاتا تھا اور وہ صبح تک مسحور رہتی تھی۔

بابا نے ہاسٹل کا سنا بھی تو نہیں آئے۔

اس روز نانی سے ملنے آئی۔ وہ بہت بیمار تھیں' نگی خالہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسے بچپن سے پالا تھا اسے جانتی تھیں مگر اس کے باوجود انہوں نے اس کی جانب سے دل میلا کیا تھا۔ اسے آج تک ملال تھا۔ نانی نے اسے روک لیا تھا۔

نانی کو صاف ستھرا کر کے کمرے کی صفائی کرنے کے بعد انہیں کھانا کھلایا اور وہ انہیں سلا کر عظمیٰ کے پاس بیٹھنے کے خیال سے باہر آئی تھی۔ سب بہت تبدیل ہوگیا تھا۔ دانیال جرمنی میں ہوتے تھے۔ عامر فون پر گفتگو کررہا تھا اسے دیکھ کر مسکرایا۔

وہ مسکراتی عظمیٰ کے پورشن کی جانب بڑھ گئی لیکن اس کا دروازہ کھولتے کھولتے چونک گئی۔ آج بھی اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی۔ اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اندر بڑی ممانی چھوٹی ممانی اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ رہی تھیں۔

"جانے کیسا منحوس سایہ ہے کوئی خوشی نہیں ملی مجھے۔ جانے ہاسٹل میں کیا گل کھلاتی ہوگی۔ کتنوں کو پیچھے لگایا ہوگا؟"

"اور کیا' وہاں کون روکنے ٹوکنے والا۔"

"ہے بھی خوب صورت۔"

"اور کیا ان گنوں نے اور بھی حسین کردیا ہے کم بخت کو۔"

"میں تو جھولیاں پھیلا پھیلا کر بددعا دوں گی۔ میرا دانیال جس نے روگ پال لیا ہے۔ کیسا جوگی بن گیا ہے۔ نہ کرے شادی اس کلموہی کو نہیں بیاہوں گی۔"

اس کا رنگ زرد ہورہا تھا "یا خدایا کوئی اپنی مرضی سے جی بھی نہیں سکتا۔" "میں نے اپنی جان کی قسم دے کر عامر کو منالیا۔ وہ بھی جارہا تھا جوگی بننے۔"

"اس کے چچا کے بیٹے تو آج تک خوار ہورہے ہیں اس کے پیچھے۔ سچ کہا ہے کسی نے آس ہوتی ہے تو راہ بھی ہوتی ہے۔" اُف' اس کے کانوں کی لوئیں تک دہکنے لگیں۔ کیسی گندی خرافات استعمال کررہی تھیں اس کے لیے۔ شدت ضبط و صبر سے آنکھیں دہکنے لگیں۔

اس کی بچی کہہ رہی تھی "کنوارے مرجائیں گے مگر میں بیوہ کو نہیں بیاہوں گی۔ اِک نحوست ماری ہی رہ گئی ہے میرے بچے کے لیے۔ پورے سولہ سنگھار کر کے رکھتی ہے فتنی۔"

الزام... الزام در الزام... یا اللہ! وہ روتی سسکتی چھت کی جانب بھاگی اور سیڑھیوں کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا

کر رو دی۔

ماؤں کے دم سے میکا سلامت ہوتا ہے۔ مائیں کیوں مرجاتی ہیں۔ اس گھر میں اس نے پرورش پائی۔ اس کے بارے میں ایسے الزامات کیا بیوگی گناہ ہے۔ شوہر کی یاد میں زندگی گزارنا عذابِ مسلسل ہے۔ ایسی تہمت' ایسے بہتان۔ یا اللہ' انہیں شرم کیوں نہیں آتی۔ اگر... اگر یہ سب ان کی بیٹیوں کے ساتھ ہو۔ تو۔ تو شدت سے لبوں پر آتی بددعا کو روکا۔

نہیں' ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہ گناہگار نہیں ہوگی۔

سرما کی تیز دھوپ اس پر پڑ رہی تھی اور وہ تنہا چھت پر بے یارو مددگار پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

جانے کتنا وقت کتنے لمحے گزر گئے۔

"اویس' ماہی آنٹی کہاں ہیں؟" نیچے سے عظمیٰ کی آواز آرہی تھی۔

اور ماہی آنٹی ماہیِ بے آب بنی سسک رہی تھیں۔ خود کو سنبھالا۔ اِک فیصلہ کیا۔ ہاں وہ شادی کرلے گی۔ ریحان کی یاد کو سینے میں چھپا کر دل کا حال تو خدا کو معلوم ہے نا۔ سسکی سی نکلی۔ منافقت کرے گی۔ کیوں خدا نے اس سے ریحان کو چھینا وہ شکوہ کناں تھی۔

پھر دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترنے لگی۔

○☆○

"نگی خالہ' میں شادی کرنا چاہتی ہوں۔" وہ انہیں اپنا فیصلہ سنا کر ان کے سروں پر دھماکا کر کے جاچکی تھی۔

"کس سے... کس سے؟" نگہت خالہ چونک گئیں۔ ان کا دوسرا بیٹا ذیشان بھی شادی کے قابل تھا۔ عدیل نے اِک عرصہ اس کے لیے آہیں بھری تھیں۔

"الٰہی' صد شکر' لڑکی کو عقل آئی۔" دونوں ممانیاں ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھ کر رہ گئیں۔

رات اس کا اُترا ہوا' رویا رویا سا چہرہ دیکھ کر نانی اماں نے اسے ساتھ لگالیا۔

"بیٹا' تیرا یہ فیصلہ ٹھیک ہے۔ تنہا لڑکی زندگی نہیں گزار سکتی۔ زمانہ اسے جینے نہیں دیتا۔ قرآن پاک میں ہے کہ بیوہ عورت کا فوراً عقد کردیا جائے۔ تاکہ لوگوں کی نگاہ اور زبان اس پر نہ اٹھے اور یہ گناہ نہیں ہے ثواب ہے۔ جانے اس میں نصیب لکھنے والے کی کیا مصلحت ہے۔"

"نانی اماں۔" شدتِ گریہ سے اس کی آواز بھرا رہی تھی "سب کو بتادیں میں بیوہ ضرور ہوں۔ گناہگار نہیں۔ باکردار ہوں' بدکردار نہیں۔ مجھ پر یوں بہتان' الزام مت لگائیں۔" ایک بار پھر سسک کر رو دی۔

نانی اماں نے اسے اپنی بوڑھی مگر محبت بھری پناہ گاہ میں چھپالیا "بیٹا' کہنے والے کی زبان نہیں روکی جاسکتی۔ اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی الزام اور بہتان لگانے والوں کے لیے سخت سزا ہے مگر یہ لوگ نہیں جانتے۔ جب تک وہ شخص معاف نہ کردے جس پر بہتان ہے خدا کے گھر بھی معافی کے دروازے بند ہیں۔" نانی نے دھیرے سے اس کے بال سنوارے۔

"رشتے' خوشیوں میں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ دکھوں میں سوالیہ نشان بن جاتے ہیں۔ رستہ ہوا دکھ بن

جاتے ہیں۔ شوہر کا ساتھ' اعتبار اور اعتماد کے ساتھ... تاحیات ہوتا ہے۔ میری زندگی کا بھروسا نہیں۔ باپ کو تیری فکر نہیں۔ دیکھ تیرا نصیب کتنا اچھا ہوگا۔" اس کا ماتھا چوم لیا۔

○☆○

"شکر ہے کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔" ممانی نے طنز آمیز انداز میں اسے دیکھا۔

"یہ بھی پوچھ لیں اماں بی کہ عقد کس سے کرنا چاہتی ہیں؟" چھوٹی ممانی کیوں پیچھے رہتیں۔

اس نے سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیکھا "ایکس' وائی' زیڈ۔ کوئی بھی ہو سکتا ہے وہ مگر اس خاندان کا نہیں۔ میرے ددھیال کا نہیں۔ وہ جسے میری نانی اماں پسند کریں۔ وہ جو میرا نصیب ہے۔"

دھیرے دھیرے مضبوط لہجے سے' لفظوں سے ان کے دھڑکتے سینوں میں پانی کے چھینٹے ڈالے اور دونوں ممانیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

اب ان کے بیٹے کا بھی گھر بس جائے گا۔ اس بات سے قطع نظر کہ ان کی باتوں سے اس کا کتنا دل دکھا ہے یا کتنی دکھی ہے۔

اور پھر ٹھیک ایک ماہ بعد نانی نے اس کا نکاح اپنی ایک جاننے والی کے توسط سے طے کر دیا۔

لڑکا اسٹیل مل میں اچھی پوسٹ پر تھا۔ پانچ سال پہلے اس کی شادی ہو چکی تھی مگر دورانِ ڈلیوری زچہ و بچہ دونوں انتقال کر گئے تھے۔

دانیال نے سنا تو اسے فون کر بیٹھا "ماہی' تم سے نکاح کے لیے کوئی بھی ہو سکتا ہے تو میں... کیوں نہیں؟"

"دانیال بھائی' آپ کی اچھائی میں شبہ نہیں مگر میں خود کو اس الزام سے بری الذمہ کرتی ہوں کہ میں نے کسی کو پابند کر کے رکھا ہے اپنی امی کو یہ بات ضرور سمجھا دیجیے گا کہ آپ کی شادی نہ کرنے کا فیصلہ یک طرفہ ہے۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

اس نے فون رکھ کر گہرا سانس لیا۔ واقعی' تنہا زندگی نہیں گزر سکتی۔ ریحان اسے جس موڑ پر چھوڑ گیا تھا۔ اس موڑ سے آگے کا راستہ بہت پُرخار' خطرناک تھا۔ جگہ جگہ جھاڑ جھنکاڑ تھے۔ خاردار پودوں نے راستے تنگ کر دیے تھے۔ ایسے راستوں پر چلنے کے لیے ساتھی' رہنما اور راہبر کی ضرورت ہوتی ہے جو ہاتھ پکڑ کر راستہ دکھائے۔ تاریک راہوں سے نکال لے۔

نانی اماں کا انتخاب اچھا تھا۔ عاصم درانی ایک سلجھا ہوا' بااخلاق اور محبت کرنے والا شخص تھا۔ وہ آنکھیں موند لیتی تو عاصم' ریحان کے سراپا میں ڈھل جاتا تھا۔

دنیا والوں کی زبانیں بند ہو گئی تھیں۔

ممانیوں کو سانپ سونگھ گیا تھا "اتنا اچھا بر ملا تھا بیوہ کو۔"

چچی اور تائی کی دونوں بیٹیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ مہوش سے عامر نے شادی نہیں کی وہ جرمنی چلا گیا تھا۔ جس جس نے اس کے منہ پر کیچڑ اچھالا تھا وہ آج اپنے چہروں سے غلاظت صاف کرنا چاہتے تھے۔

نانی اس سے بہت خوش تھیں۔ وہ انہیں اکثر لے آتی اپنے گھر۔ عاصم شکر گزار تھا نانی اماں کا کہ انہوں نے اس کا انتخاب کر کے اس کی زندگی سنوار دی۔ ورنہ ایسی صورت کہاں مل سکتی تھی۔

وہ چاہ سے ماہ مبین کو دیکھتا۔ وہ نانی کی اوٹ میں ہو جاتی اس کا دل ہوک کر دھڑکتا۔ یک دم حیران ہوتی۔ ایسی دھڑکن تو ریحان کی توجہ پر ہوتی تھی۔

اُف! بیٹھے بیٹھے سن سی ہو جاتی تو عاصم' ریحان کا پرتو بنتے جا رہے ہیں۔

"بیگم! کیا سوچا جا رہا ہے؟" گمبھیر آواز میں بے حد قریب سے سرگوشی ابھری۔ چونک کر پلٹی اور عاصم سے ٹکرا گئی۔

"ایسی بے خودی...!" اس نے نگاہ اٹھائی۔ سیاہ آنکھیں "ویسی" ہی سیاہ تھی۔ محجوب سی ہو کر پلکیں جھکا لیں۔ شرمیلی مسکراہٹ نے عاصم کے گرد ڈھیروں پھول کھلا دیے تھے۔